جونپور میں عزاداری کی روایات: تاریخی جائزہ

ڈاکٹر سید محمد عامر☆

جونپور، قرونِ وسطیٰ کا شیرازِ ہند، مشرق کی سمت ضلع غازی پور اور اعظم گڑھ، مغرب میں ضلع پرتاپ گڑھ اور الہ آباد شمال میں ضلع سلطان پور، جس کی ایک پتلی سی پٹی اسے ضلع فیض آباد سے جدا کرتی ہے، اور جنوب میں مرزا پور اور بنارس[1] کے اضلاع سے گھرا ہوا ہے، یہ '۲۴'۔'۲۵ ' ڈگری/ اور '۱۲۔'۲۶' ڈگری شمالی طول البلاد اور '۷'۔۸۲ ڈگری اور '۵'۔۸۳ مشرقی عرض البلد کے علاقوں کے درمیان واقع ہے۔[2] اس ضلع کی شمالی وجنوب میں زیادہ سے زیادہ لمبائی ۹۰ کلومیٹر اور شرق وغرب میں زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۸۵ کلومیٹر ہے۔ ۲۰۰۱۔۲۰۰ کے سروے کے مطابق اس کا کل رقبہ ۳۶۶،۲۶۶ مربع کلومیٹر ہے۔[3]

اس مقالے میں آثارِ قدیمہ اور تاریخ کے توسط سے اس تاریخی شہر میں عزاداری کی روایت اور شہر میں موجود عزا خانوں کے بارے میں کچھ حقائق پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے لیے علاقے کا سروے اور مشاہدہ بھی کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں اس تحقیق کے نتائج کو کچھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

میں نے اس شہر کے بارے میں ادبی اظہارات اور بیانات کو علاقے کے آثارِ قدیمہ کے باقیات کے ساتھ رکھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس ابتدائی جائزے کے لیے ہمیں اس علاقے کے بارے میں کچھ ایسی معلومات حاصل کرنے کا موقع بھی ملا جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عرصے تک تغلق اور شرقیوں کے درمیان یہاں سیاسی ہلچل کیوں رہی۔ اس سے جونپور میں قدیم وقتوں سے چلے آ رہے کچھ رسوم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

☆ جامعہ آرکائیوز، جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱- احمد، سید اقبال، تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور ۱۹۸۸، ص ۳۳

۲- نیول۔ ایچ۔ آر۔ ڈی (Nevill.H.R.D) ڈسٹرکٹ گزیٹیرس آف یونائیٹیڈ پراوِنس آف آگرہ اینڈ اودھ جلد ۔ XXVIII ۱۹۰۸ الہ آباد، ص ا

۳- جونپور ایڈمنسٹریٹیو، جونپور ۲۰۰۱-۲۰۰۰

ہندوستانی تاریخ میں شرقی دور میں جونپور میں شرقی علم و ادب کی بے مثال ترقی کے شواہد بہت زیادہ ملتے ہیں جو پوری پندرھویں صدی پر محیط ہیں۔ کم و بیش پوری صدی میں شرقی حکومت کے درالسلطنت ہونے کی وجہ سے اسے سیاسی عظمت بھی حاصل رہی جس کے نتیجے میں یہاں بڑے باحوصلہ اور مضبوط بادشاہ بھی ہوئے جیسے سلطان ابراہیم شاہ شرقی (۱۴۰۱ تا ۱۴۴۰) سلطان محمود شاہ شرقی (۱۴۴۰ تا ۱۴۵۷) اور سلطان حسین شاہ شرقی (۱۴۵۸ تا ۱۴۸۷) جن کی تحریک اور عمل کے ثبوت مسجد جامع الشرق، مسجد اٹالہ اور مسجد لال دروازہ کے شکل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جونپور کی مسجدیں خود شرقی دورِ حکومت کی یادگاریں ہیں عالی شان قلعے، محلات، مقبرے، مسجدیں، خانقاہیں، عزاخانے یا امام باڑے غالباً ہندوستان میں طرزِ تعمیر کے اعلیٰ معیار کے بہترین اور حیرتناک نمونے ہیں۔ یہ خوبصورت عمارتیں خود بھی طرزِ تعمیر کا ایسا معیار بن گئی ہیں کہ انہیں بھی ایک الگ 'جونپور طرزِ تعمیر' کا نام دیا جانے لگا ہے۔[1]

ان بادشاہوں نے یہ شاندار عمارتیں قدیم تباہ مندروں کے مقامات پر کھڑی کرکے تاریخ کی بدنامی تو ضرور مول لی مگر ان کے بدترین نقاد اور نکتہ چیں بھی یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے خود کو 'تباہ کار' کے مقابلے میں بہتر 'معمار' ضرور ثابت کردیا۔ بہرحال یہ جواز سکندر لودھی کے حق میں پیش نہیں کیا جاسکتا جس نے شرقی بادشاہوں جیسا عمل کیا تھا۔

طرزِ تعمیر کے عروج پر پہنچے ہوئے اس شہر کو اپنی سیاسی شکست و ریخت اور ثقافتی تنزل سے اس وقت دوچار ہونا پڑا جب سکندر لودھی (۱۴۸۹ تا ۱۵۱۷) نے شرقی خاندان کے آخری حکمراں[2] (۱۴۹۴) حسین شاہ شرقی (۱۴۵۸ تا ۱۴۸۷) کو شکست دی۔ لودھی نے اس سلطنت کی خودمختاری ختم کردی اور جونپور کو دہلی سلطنت میں ملا لیا[3] لودھی کے چھ مہینے کے قیام میں پورے جونپور پر خوف و ہراس طاری رہا اور اس نے جونپور کی ثقافتی اور فنی شان وعظمت کو تباہ کرکے رکھ دیا۔ اس عرصے میں اس نے شرقی دور کے ہر طرح کے آثار کو مٹانے کی ٹھان لی، شرقی بادشاہوں کے پُرشکوہ محلوں، حسین باغوں اور عالی شان امام باڑوں کو زمیں بوس کردیا اور شرقی سلطنت پر اپنے مکمل تسلط کے اظہار کے

۱- فصیح الدین، مولوی محمد، دی ہسٹری آف شرقی مونیومینٹس ان جونپور، بدایوں، ۱۹۲۲، ص ۲ اور ۳

۲- احمد نظام الدین، طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۵، ۱۹۲۷ ج ۱، ص ۱۹-۳۱۸

۳- سعید، میاں محمد، شرقی سلٹنیٹ آف جونپور، (اے پالیٹکل اینڈ کلچرل ہسٹری) کراچی ۱۹۷۲، ص ۲۰۳

لیے ان کے ناموں سے منسوب ہر چیز کو تباہ کردیا۔ قلعوں، محلوں اور تمام غیر مذہبی قسم کی عمارتوں کو تباہ کر چکنے کے بعد اس نے شرقی مساجد کو تباہ کرنا شروع کیا، حالانکہ وہ خود راسخ الاعتقاد مسلمان تھا۔ آخر علماء کے احتجاج نے اُسے مساجد کی مزید بے حرمتی سے باز رہنے پر مجبور کردیا۔[1] اب جو کچھ جونپور میں ہم دیکھ سکتے ہیں وہ ان مفخر بادشاہوں کی تعمیرات کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہی ہیں۔ اس فنی عظمت کی اتنی تباہی کے بعد بھی مغل شہنشاہ شاہجہاں نے اس کے ادبی اور فنی کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے جونپور کو 'شیراز ہند' کے لقب سے عزت بخشی تھی۔[2]

جونپور جو اب شمالی ہندوستان میں اتر پردیش ریاست کا کا ایک شہر ہے وہ قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں صدیوں سے شیعہ آبادی کا مرکز رہا ہے۔ شیعوں کی اس مرکزیت کے آثار یہاں چودھویں صدی عیسوی میں شرقی خاندان کی حکومت کے قیام میں ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پہلے شرقی سلطان، خواجہ جہاں ملک سرور سے آخری سلطان حسین شاہ شرقی تک سب سید الشہداء کے عزادار، اہل بیت کے دوستدار اور شیعہ (اثناعشری) تھے۔[3]

ایک دہے کے قریب جونپور کے قیام کے دوران میں نے محرم کے اجتماعی پروگرام اور رسومِ عزاداری کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔ محرم کا مقدس مہینہ جونپور شہر اور اس کے مضافات میں بڑے پرشکوہ اور سنجیدہ انداز میں منایا جاتا ہے۔ ہر دور کا اپنا یزید ہوتا ہے مگر ظلم کی مزاحمت جس کی لاثانی مثال حسین نے پیش کی، اسے اپنا ناہر صاحب عقیدہ کا فرض ہے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ ان کے عزادار سال بسال جونپور میں ان کے خاندان پر گزرے مصائب اور ظلم و ستم کو یاد کرنے جمع ہوتے ہیں۔[4] ماتم کرنے والوں کے دستے، نوحہ خوانوں کی ٹولیاں، سالانہ مجالسِ عزا اور رضاکاروں کے منظم کیے ہوئے جلوسوں کو محرم کے پورے مہینے جونپور میں دیکھا جاسکتا ہے۔

عزاداری کی روایت جونپور میں ۱۳۶۰ سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ کئی جگوں پر بڑی تعداد میں امام باڑے قایم ہوئے۔ حضرت مولانا مخدوم سید علی نصیر نے محلّہ نصیر خان، معروف بہ چھتری گھاٹ میں

۱- ایضاً ص ۱۹-۳۱۸، خیرالدین، مولوی محمد کے، جونپور نامہ، میں بھی حوالہ ۱۸۹۹، ص ۲۰-۱۹، نظام الدین اور نعمت اللہ دونوں نے سکندر لودھی کے جونپور میں چھ مہینے کے قیام کا ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اس کے شہر کو تباہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جبکہ خیرالدین اور نیویل نے چھ مہینے کے قیام اور شہر کو تباہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ۲- اکرام، شیخ محمد، آب کوثر، دہلی (۱۹۵۲) ص ۵۰۸، احمد، سید اقبال، تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور، جونپور، (۱۹۸۸) ص ۳۷،۳۶ ۳- حسین، مظفر، ہسٹری آف عزاداری ان جونپور۔ جونپور ۱۹۶۷، ص ۹

۴- مشیر الحسن، میکنگ سینس آف ہسٹری، سوسائٹی، کلچر اینڈ پالٹکس، نئی دہلی۔ ۲۰۰۳ ص ۱۳۷

ایک امام باڑہ ۱۳۷۱ میں تعمیر کروایا جو، گوکہ ابھی باقی ہے مگر بڑی خستہ حالت میں۔ یہ جونپور کا سب سے پہلا امام باڑہ تھا۔[۱]

دوسرا تاریخی امام باڑہ فاطمہ بی بی معروف بہ 'باہوا بیگم' نے بنوایا جو مولانا نصیر علی کی اولاد میں تھیں۔ اس کی زمین شہزادہ ناصرالدین محمود تغلق نے دی تھی۔ یہ بھی ابھی موجود ہے اور 'امام باڑہ دالان' کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۲]

شرقی سلاطین کے دور میں عزاداری کی روایت پوری طرح جم گئی اور جونپور میں اس کا وقار و احترام عام ہوگیا۔شرقی سلطانوں نے اس میں ذاتی توجہ دی اور اپنے محلوں میں مجالس عزا منعقد کیں۔گوکہ خواجہ جہاں ملک الشرق، نے خود تو کوئی امام باڑہ تعمیر نہیں کروایا مگر مجالس عزا میں ضرور شریک ہوتا تھا اور شاہی خزانے سے مجالس کے لئے ہر سال مالی امداد ضرور دیتا تھا۔

خاندان شرقی کے سب سے کامیاب حکمراں ابراہیم شاہ شرقی (۱۴۰۱ تا ۱۴۴۰) نے اپنے دور میں ایک بڑا شان دار عزا خانہ بنوایا جو 'خانقاہِ نوحہ گراں کے نام سے مشہور تھا۔ اب یہ بڑی مسجد (جامع الشرق) کے قریب ہے اور تعزیے (امام حسینؑ کے روضے کی شبیہہ) اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر پر رکھے جاتے ہیں۔ اس کے لڑکے سید محمود شاہ شرقی نے (۱۴۴۰ تا ۱۴۵۷) میں محلہ بیگم گنج میں ایک عزاخانہ بنوایا جو اپنے طرزِ تعمیر کی خوبصورتی کی وجہ سے جونپور کے تمام امام باڑوں میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

سکندر لودھی نے اپنے حملے کے دوران اس کے کچھ حصوں کو منہدم کرایا۔ اب اسی جگہ صدر امام باڑہ (جو محرم کی تمام رسومات کا مرکز) ہے جو سلطان محمود کی یاد میں بنوایا گیا ہے۔ پرانی عظیم الشان عمارت کے آثار ابھی تک موجود ہیں جن سے اُس شاہی سرپرستی کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے حاصل تھی۔

سلطان محمود شاہ کی چہیتی بیوی ملکہ راجے بی بی نے اس سے ملی ہوئی ایک خوبصورت مسجد، ایک عزاخانہ اور ایک خانقاہ بنوائی۔ مولانا سید علی داؤد کو ان تمام عمارتوں کا ناظم مقرر کیا گیا۔

مشرقی خاندان کے آخری حکمراں حسین شاہ شرقی کے 'نوحہ گران' (ابراہیم شاہ کا صدر امام باڑہ) کی توسیع کی۔ اس نے ایک عالیشان مسجد، جامع الشرق' بھی تعمیر کروائی، جو جونپور میں ایک عرصے تک عزاداری کا مرکز رہی اور بعد میں جونپور کے ہی سید کرامت علی کی کوششوں سے حکومتِ برطانیہ

۱- سابقہ حوالہ، ہسٹری آف عزاداری ان جونپور ص ۲۱ ۲- ایضاً ص ۲۱ ۳- ایضاً، ص ۲۵-۲۲

نے کچھ عرصے کے لئے یہاں عزاداری کو ممنوع قرار دے دیا۔[۱]

اکبر کے دور میں منعم خاں خانخاناں جونپور کا گورنر ہوا (۱۵۶۷ تا ۱۶۷۶) جو انتظامی امور کی بہت اچھی قابلیت رکھتا تھا۔ یہ اثنا عشری شیعہ تھا۔ اس نے گنگھرا میں ایک مسجد اور ایک خانقاہ ذکران، بنوائی۔ عزاداری پھر کافی مقبول ہوئی اور جونپور عزاداری کا مرکز بن گیا۔ اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ سید احسن اخوندمیر، جو ایران کے شاہ طہماسب کا ایک فوجی افسر تھا، وہ ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور جونپور میں ہی مقیم ہوا تھا۔ یہاں اس نے کئی عزاخانے بنوائے اور عزاداری کی رسوم میں ایرانی طریقہ کے مطابق، ذوالجناح کا جلوس قایم کیا۔[۲]

راجا ادارت جہاں، اپنے سلسلۂ نسب کے اعتبار سے سید احسن اخوند میر کے سلسلے سے جا ملتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایک مسجد اور عزا خانہ بنوایا جو ابھی تک باقی ہیں اور اچھی حالت میں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں جونپور کا پہلا مقتول ایک عزادارِ حسین ہی تھا۔ شہ بزرگ بھی راجا ادارت جہاں ہی تھے۔ ان کے لڑکے راجا مظفر جہاں اور پوتے ذوالفقار جہاں اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اب بھی مجلسوں اور تمام ماتمی رسوم میں حصہ لیتے ہیں۔[۳]

جہاں تک جونپور کی عزاداری اور اس کی اہمیت کا سوال ہے۔ اسے جعفری ٹائمس (جعفری آبزرور) ایک شیعہ اخبار جو بمبئی سے شائع ہوتا ہے اور جونپور میں کافی مقبول ہے، کے بیانات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے خصوصی محرم نمبر میں لکھتا ہے۔ ''امام حسینؑ کا مقصد اپنے سماج کے حالات کو سدھارنا اور اسلام کے فراموش کردہ قوانین وقواعد، کو دوبارہ مستحکم کرنا تھا۔ اس لیے ہم اس وقت تک خود کو سچا عزادار کہلانے کے مستحق نہیں ہوسکتے جب تک ہم اپنے فرائض، جیسے قرآن کی واجب کردہ نماز، روزہ، اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور انسانوں سے محبت وغیرہ انجام نہ دیں، اور ممنوعہ اعمال، جیسے موسیقی سننا، گندی فلمیں دیکھنا، غیر ضروری گپ شپ میں وقت ضائع کرنا وغیرہ سے پرہیز نہ کریں۔[۴] اس طرح اس نے عزاداری کے روحانی پہلو پر بار بار زور دیا۔

عزاداری حقیقت میں رسول اللہؐ کے خاندان کے محترم افراد پر اسلام دشمن لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے مظالم کے خلاف ایک اجتماعی احتجاج ہے اور مجلس عزا کو اصل میں حضرت زینب (س)

۱- ایضاً نیز، بیگ، مرزا عباس علی، جونپور نامہ، حسینی مشن، لکھنؤ ۱۹۸۷، ص ۸۷ میں حوالہ ۲- ایضاً ص ۴۵-۴۲ ۳- ایضاً ص ۵۳-۵۰
۴- کریمی، محمد رضا، ''دی امپارٹینس، آف مورننگ، ''عزاداری'' جعفری ٹائمس، جعفری آبزرور، ۲ نمبر ۱، اگست ستمبر، بمبئی ۱۹۸۸، ص ۱۳

کی سنت کہا جاسکتا ہے۔ جونپور کے شیعوں کے لیے محرم کی ہر شام، شام غریباں، ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سید وصی احمد کاظمی سے عزاداری کی اہمیت پر گفتگو کے دوران انہوں نے کہا کہ کربلا میں حسینؑ کا شہادت کو چُن لینا ہمیں بتاتا ہے کہ ''دوسروں کو تکلیف دینے سے بہتر خود تکلیف برداشت کرلینا ہے''۔ ان کی شہادت بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے پیش کی جانے والی قربانیوں میں ایک مثالی قربانی ہے۔ ماتم کے عمل اور خود اذیتی سے ہم خود کو تکلیف پہنچاتے ہیں''۔ [1]

حسینؑ اور اُن کے رفقاء پر ماتم عزاداریِ محرم کا مخصوص عمل ہے۔ یہ اصطلاح شدت غم میں خود کو ہاتھوں سے (فارسی میں سینہ زنی کہا جاتا ہے) یا کسی ہتھیار سے (کوڑے کی طرح استعمال کرتے ہوئے۔ زنجیر زنی) اپنے جسم کو مارنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جونپور کے لوگ پہلی سے دس محرم کے دوران عزاخانوں میں ماتم میں حصہ لیتے ہیں۔ جونپور کی ایک ممتاز شیعہ شخصیت، حیدر عباس کے قول کے مطابق، محرم میں ماتم اللہ کے نزدیک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے ورنہ وہ اپنی مخلوق میں اپنے اپنے انداز میں رونے اور ماتم کرنے کی صلاحیت ہی نہ دیتا۔ اس کو سید محمد عمید نے اُن روایات سے تقویت دی ہے کہ کربلا میں حسینؑ کے غم میں پوری کائنات شریک تھی۔

عمید نے مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ نے ان عملوں (گریہ و بکا) کو دنیا میں ظاہر ہی اس لیے کیا تاکہ حسینؑ کے غم اور اُن کی یاد کی اہمیت لوگوں پر واضح ہوتی رہے۔ [2]

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ صرف شیعہ ہی محرم میں حسینؑ کا احترام نہیں کرتے۔ بہت سے سنّی اور ہندوؤں کے کچھ گروہ بھی کسی حد تک محرم خصوصاً عاشورہ کے جلوسوں میں حصہ لیتے ہیں۔ جونپور میں ہزاروں کی تعداد میں ماتم دار سڑکوں پر کربلا (پان دریبہ میں (صدر امام باڑے) [3] کی

۱۔ مجلس عزا، سنتِ زینبی ہے، جس کی ابتداء انہوں نے دمشق کے قید خانے سے نکلتے ہی کی تھی۔ جناب زینب خاندان رسول سے متعلق یعنی حضرت علیؑ کی بیٹی تھیں۔ انہوں، کوفہ، کربلا اور شام میں بہت ظلم و زیادتیاں سہیں اور خود بھی دمشق میں شہید کی گئیں۔

حضرت زینب کا یہ عمل (مجلس) کی تصدیق امام معصوم نے کی تھی اس لیے یہ ہر سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرے۔

(ایس۔وی۔ میر علی، حسین، دی سیویئیر آف اسلام، تاریخ ترسیلِ قرآن، نیویارک ۱۹۹۱، ص ۲۳۵

۲۔ عمید، سید محمد، دی امپارٹینس آف کوپینگ اینڈ ویلنگ، کراچی، ۱۹۷۳، ص ۱۰-۷

۳۔ یہ شہر کے شمال مغربی آخری حصے میں جگدیش پور گاؤں میں واقع ہے اس کا بہت عالی شان دروازہ ہے اور احاطے میں کئی عمارتیں ہیں، جن میں 'قدم رسولؐ' اور 'روضۂ حضرت عباسؑ' بھی شامل ہیں۔ یہ مغل بادشاہ محمد شاہ (۱۷۱۹ تا ۱۷۴۹) کے دور میں شیخ فتح محمد عرف منگلی میاں نے تعمیر کروایا تھا۔ منگلی میاں الہ آباد کے ناظم کے رسالہ دار تھے۔ (مولوی فصیح الدین میاں، دی شرقی مونومینٹس آف جون پور، بدایوں ۱۹۲۲، ص ۶۷۰

طرف جاتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ ہماری قومی ایکتا اور فرقے وارانہ ہم آہنگی کا ثبوت ہے جو جونپور اور اس کے اطراف میں نظر آتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تاریخ تاریخ داں کے تجربے کا نام ہے، مجھے جونپور میں نصیب خاں کی منڈی میں واقع ناظم علی خاں کے عزا خانے میں جانے کا موقع ملا۔ ان کے دور سے آج تک یہاں مجالس عزا متواتر ہوتی آئی ہیں۔ ایک مخصوص ذاکر کو کربلا حسین کے لیے بلایا گیا تھا۔ ہر مجلس مرثیہ خوانی سے شروع ہوتی ہے جسے لگ بھگ چھ افراد مل کر پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد ''ذاکر کا بیان'' (وعظ) ہوتا ہے۔ اس 'وعظ' (ذاکری) کی ساخت روایتی انداز میں مقرر ہے۔ خدا کی حمد وثنا، رسول اور اہل بیت کی فضیلت کا بیان، فضائل اور دعا، کربلا کے شہداء کے فضائل، اس بات پر زور کہ ہمیں اُن سے ہدایت حاصل کرنی چاہئے، شہدائے کربلا اور رفقائے حسینؑ پر ہوئے مظالم یعنی 'مصائب' کی تفصیل، ظالموں کی ایذا رسانی کا ذکر جس کے آخر تک پہنچتے پہنچتے ہر شخص زور زور سے رو رہا ہوتا ہے یا اپنی رانوں اور سروں کو پیٹ رہا ہوتا ہے، یا رومال سے اپنی آنکھوں اور چہرے کو ڈھک کر سسکیاں لے رہا ہوتا ہے۔ یہ مجلس ناظم علی خاں کے پوتے علی ضامن خاں نے منعقد کی تھی۔ ان کے اچھے دنوں کے گزر جانے کے باوجود ان کے خاندان میں عزاداری کی روایت ابھی تک باقی ہے۔

عام طور پر مجلس عزا کے پانچ حصے ہوتے ہیں: ۱- سوز خوانی ۲- سلام ۳- مرثیہ خوانی ۴- مذہبی بیان اور ۵- نوحہ۔ سوز، پیغمبرؐ، اُن کے وصی و اہل بیتؑ کی شان میں اردو میں چھوٹی نظمیں ہوتی ہیں جو سُر سے پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد عام طور پر سلام پڑھے جاتے ہیں پھر مرثیہ پڑھا جاتا ہے جس میں المیہ بیان ہوتا ہے چنانچہ زیادہ تر عزادار رونے لگتے ہیں۔ اس کے بعد جو بیان ہوتا ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں پہلے حصے میں ذاکر اسلام کے اصولی اور تاریخی نکتے بیان کرتا ہے اور دوسرا حصہ کربلا کے المناک واقعات بیان کرنے کے لیے وقف ہوتا ہے اور پُرسوز ہوتا ہے۔ مجلس نوحے پڑھے جانے کے بعد ختم ہوتی ہے۔ نوحہ پڑھتے وقت عزادار کھڑے ہوجاتے ہیں۔[۱] مجلس عام طور پر تبرک کی تقسیم پر ختم ہوتی ہے اور سے مولیٰ علی کی عطا سمجھتے ہوئے متبرک مانا جاتا ہے۔

دس محرم، جسے عاشورہ کہتے ہیں، اس روز (۶۸۰ عیسوی میں)[۲] امام حسینؑ اور اُن کے بہتر رفقاء

۱- امام باڑے میں مرد اور خواتین دونوں مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ مگر ایک سیاہ پردہ درمیان میں پڑا ہوتا ہے۔ خواتین ذاکر کی صرف آواز سُن سکتی ہیں چونکہ ذاکر مرد سامعین کی طرف منھ کرکے بیٹھتا ہے۔ ماتم صرف مرد کرتے ہیں۔

۲- اس مجلس میں غم کی علامت کے طور پر امام باڑے کی تمام روشنیاں بجھادی جاتی ہیں۔ لوگ سیاہ لباس پہنے امام باڑے میں بیٹھتے ہیں۔

کی یاد میں خصوصی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اس روز جونپور میں بہت مجمع ہوتا ہے کیونکہ آج شہر اور مضافات سے تعزیے لاکر دفن کیے جاتے ہیں۔ ملہار روڈ پر واقع مفتی محلے کے پاس صدر امام باڑے سے ملحق کربلا میں لگ بھگ ایک لاکھ لوگ جمع ہوتے ہیں۔[1] حالانکہ عددی اعتبار سے شیعہ جونپور کی آبادی میں کچھ فیصد ہی ہیں لیکن یہ محرم کی عزاداری میں اجتماعی طور پر اتنے زیادہ شریک ہوتے ہیں کہ بظاہر یہ بڑی تعداد لگتی ہے۔

اپنے سروے کے دوران میں نے سو سے زیادہ عزا خانے جونپور میں پائے ان جگہوں پر تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ اس طرح جونپور کی سماجی زندگی میں عزاداری کی جڑیں بڑی گہری نظر آتی ہیں اور ان کا اثر یہاں کی عام زندگی کے عام رسم و رواج پر بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح ایک زمانہ گزر جانے کے باوجود اس تاریخی شہر جونپور نے نہ اپنا غیر فرقہ وارانہ کردار گم کیا ہے اور نہ اپنی تاریخی روایتوں کو بھلایا ہے۔ نئی نسل مغربی تہذیب کے اثرات کے باوجود اپنی عزاداری کی تاریخی روایت کی قدر کرتی ہے۔ یہ لوگ کسی اور چیز سے زیادہ ان اجتماعی رسوم کی روحانی طاقت اور محرم کی روایتوں کو سمجھتے ہیں۔ پروفیسر صادق نقوی (شیعہ ڈگری کالج، جونپور) نے دوران گفتگو مجھے بتایا کہ محرم کے دنوں میں ہر شیعہ کا گھر امام باڑے میں بدل جاتا ہے۔ محرم کے دس دنوں میں آخری دن الوداع پر ہر طرف یہ آوازیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔ ''وامحمداً! کشتہ شد حسینؑ'' (اے محمدؐ۔ حسینؑ شہید کردیے گئے)۔

اس طرح شیعوں کی عزاداری کچھ مقدس ہستیوں پر کیے گئے بدترین مظالم اور غیر انسانی برتاؤ پر اظہار رنج و غم کے لیے کی جاتی ہے جو اُن لوگوں کے ہاتھوں ہوئے تھے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ حقیقت میں انہوں نے اس پوری دنیا میں بنی نوع انسان کے کردار پر ایسے بدنما داغ لگادیے ہیں جو صفحۂ تاریخ سے کبھی مٹائے نہیں جاسکتے۔ یہ وہ غم ہے جس پر پورا خاندان بنی نوع انسان تا قیامت رنج و غم مناتا رہے گا۔[2] حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؑ جیسا نہ کبھی کوئی ہوا نہ کبھی ہوگا۔ چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی پوری دنیائے انسانیت کے لیے حسین حوصلے اور ولولے کا منبع ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے مندرجہ ذیل چند مصرعوں میں اظہار کیا ہے۔ (انگریزی متن سے آزاد نثری ترجمہ)

۱-تعزیہ کا جلوس بہت بڑے مجمعے کے ساتھ کربلا پہنچتا ہے۔ اس کے چاروں طرف کی بڑی شاہراہوں پر ٹریفک ۳ سے ۸ بجے رات تک ۴ یا ۵ گھنٹے کے لیے روک دیا جاتا ہے یا کسی دوسرے راستے کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔

۲-ایس۔ وی۔ میر احمد علی، حسن دی سیوئیر آف اسلام، تاریخ ترسیل قرآن نیویارک ۱۹۹۱، ص ۳۶-۲۳۵

میرے ملک کے لوگ آج تجھ پر آنسو بہا رہے ہیں
اور شدت غم سے اپنے سینوں پر ماتم کر رہے ہیں
اور غمگین، دردناک سُروں میں، اُن قصوں کو دہرا رہے ہیں
کیسے جلتی ریت پر تونے جان دی
تونے ظالم کی سفلہ مانگوں کو ٹھکرادیا
اور اپنی روح کی شکست کے بجائے تونے موت کو ترجیح دی
کسی طرح کی لغزش بغیر تونے شہادت کو گلے لگالیا
اس حقیقت کو جس نے سمجھ لیا وہ رو دیا